قسط ۲

عربی رسم الخط کا آغاز اور ارتقاء

فواز احمد طوقان ○ ترجمہ: غلام حیدر آسوی، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

نباطی رسم الخط

آغاز اور ارتقاء[۳۱] نباطی منقوشات پانچ مقامات پر دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین مقامات واضح طور پر (ARABIA PETRA) عرب سنگستان میں تھے[۳۲]۔ خلیل یحییٰ نامی نے اپنے زمانہ تک ملنے والے تمام نباطی منقوشات کے حوالہ جات کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ نباطی مخطوطات و منقوشات کا مطالعہ اس موضوع سے خارج ہے۔ البتہ ان کے مطالعہ سے ماخوذ نتائج سے آگاہ ہونا ضروری ہے تاکہ نباطی اور عربی رسم الخط کا باہمی تعلق ظاہر کیا جا سکے۔ نامی نے ان منقوشات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ اس ہیئت کی وضاحت کرتا ہے جس سے نباطی تحریر گزری ہے[۳۳]۔ دو نکتے حورانی منقوشات کے ابتدائی دور کے امتیازی نشانات کی خصوصیات بتلاتے ہیں۔ کچھ حروف نے دو شکلیں اختیار کیں۔ ایک شکل ابتدائی اور درمیانی مرحلہ میں اور دوسری آخری صورت میں۔ نامی کا نظریہ ہے کہ دوسری صورت نے مقسم الفاظ کا کام سرانجام دیا ہے[۳۵]۔ دوسری خصوصیت چند حروف کا بائیں جانب پھیلنا اور ترچھا ہونا ہے۔ یہ محض اس خواہش کی بنا پر ہو سکتا تھا کہ لفظ کے حروف کو آپس میں ملایا جا سکے۔[۳۶]

---

[۳۱] میں نے زیادہ تر نامی کی فراہم کردہ معلومات پر دو وجوہ کی بنا پر اعتماد کیا ہے۔ ایک اس کا اصلی ماخذ اعتماد ثانیاً اس کی وہ شہرت جس کا وہ اپنے عمدہ مطالعہ کی بنا پر مستحق ہے۔

[۳۲] نامی۔ حوالہ گزشتہ۔ ص ۱۵

[۳۳] نامی۔ حوالہ سابقہ ص ۱۵ تا ۲۴

[۳۴] نامی۔ حوالہ سابقہ ص ۲۶-۲۷

[۳۵] نامی۔ ایضاً ص ۳۵

[۳۶] نامی۔ ایضاً ص ۳۶

ان حورانی منقوشات کی خصوصیات پہلی اور دوسری صدی عیسوی کے نباطی منقوشات میں بھی جاری رہیں[۳۷]
وقت اور مہارت نے حروف کو زیادہ واضح صورت دے دی تھی[۳۸] نباطی منقوشات کی تیسری ہیئت تیسری
اور چوتھی صدی عیسوی پر حاوی ہے[۳۹] نامی نے ان مخطوطات میں استعمال شدہ ہر حرف تہجی پر بحث کی
ہے[۴۰] حروف کی صورتوں میں تنوع کی بنا پر ہر حرف کی کوئی معیاری صورت اخذ کرنا بہت مشکل ہے[۴۱]
ہاں البتہ یہ وہ دور ہے جس میں نباطی حروف نے اپنی قدیم بنیادی صورت کو چھوڑ کر نیا عربی قالب اختیار
کرنا شروع کیا ہے[۴۲]

نباطی خط کی خصوصیات | خلیل یحییٰ نامی نے نباطی خط کی پانچ اہم خصوصیات درج کی
ہیں[۴۳] یہ مندرجہ ذیل خصوصیات عربی خط کی خصوصیات سے ملتی جلتی ہیں :-

۱۔ حروف کی بندش :- ایک مستقل اکائی بنانے کے لئے ایک لفظ کے حروف کو باہم جوڑ دیا جاتا ہے
لفظ ب ر کو ہمیشہ ملا کر لکھا جاتا جب کہ دوسرے حروف کو جوڑنے کا عمل بہت کم تھا۔ خط کے دوسرے
دور میں ہر دو حرفی لفظ کے دو حروف جڑے ہوتے تھے۔ اور ارتقاء کے تیسرے دور میں تمام الفاظ کے
حروف کو جوڑ دیا جاتا، خواہ ان کے حروف کی تعداد کتنی ہی ہو[۴۴]

حروف کو آپس میں ملانے اور جوڑنے کے چار طریقے تھے[۴۵]

(۱) الاسناد ۔ اس طریقہ میں ایک حرف کو اس کے مابعد کے حرف کی کمر پر رکھ دیا جاتا۔ مثلاً ب ر کے لئے ـــ
(ب) الربط ۔ اس میں ایک حرف کو مابعد کے حرف کے سرے سے جوڑ دیا جاتا۔ مثلاً ب ر کے لئے ـــ
(ج) المزج ۔ اس طریقہ سے دو حروف ایک سانچے میں ڈھال دیئے جاتے۔ لیکن یہ طریقہ صرف ایک

---

[۳۷] نامی۔ حوالہ بالا۔ ص ۳۶۔۳۷ ہر حرف کی تبدیلی اور ارتقاء پر نامی نے بحث کی ہے۔ دیکھیں نامی
حوالہ بالا۔ ص ۴۶-۶۳ ۔ [۳۸] یہ معمولی سی تبدیلی نباطی خط کی دوسری ہیئت دوسرے دور کی نشاندہی

[۳۹] نامی۔ حوالہ بالا ۔ ص ۶۵
[۴۰] نامی۔ حوالہ بالا ۔ ص ۷۲ - ۸۲
[۴۱] نامی۔ حوالہ سابقہ ۔ لوح نمبر ۴
[۴۲] نامی ۔ ایضاً ص ۸۴
[۴۳] نامی۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۸۵ - ۸۸
[۴۴] نامی ۔ حوالہ سابقہ ۔ ص ۸۵ - ۱
[۴۵] نامی۔ حوالہ سابقہ ۔ ص ۸۶

مثال میں باقی رہا اور وہ ہے ل ا کے لئے لا۔

(د) النظم۔ اس میں حروف کو ایک لکیر کے ذریعے پرو دیا جاتا۔ نباطی میں حروف کو لکیر کے اوپر رکھا جاتا ہے۔ مثلاً ع ب د ر کے لئے عبدر

۲۔ علامات وقف:۔ یہ ایسے حروف تھے جو فصل کرنے کے لئے لفظ کے اختتام پر استعمال کئے جاتے۔ چار طریقے مستعمل تھے۔ ان میں سے اہم ترین حرف کا دراز کرنا تھا۔ جیسے ب، ف اور ق میں سے کوئی حرف اگر لفظ کے آخر میں ہوتا تو اسے دراز کر دیا جاتا۔[۴۶]

۳۔ الاعجام۔ (نقطے لگانا):۔ قدیم عربی مخطوطات کی طرح نباطیوں کے ہاں حروف میں ایک دوسرے سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے نقطوں کا رواج بالکل نہیں تھا۔[۴۷]

۴۔ تائے تانیث (ۃ): یہ گول ۃ کے بجائے لمبی ت مستعمل تھی۔
عربی میں بھی اس تائے تانیث کو آغازِ اسلام میں لمبی "ت" سے لکھا جاتا تھا۔[۴۸]

(۵) حروف علت: نباطی میں حروف علت کی صوتی علامات باقی نہیں رکھی گئیں۔
الف (ا) نے (ء ہمزہ یا فتحہ) واو نے ضمہ (و) اور یا نے یِ (کسرہ) کھو دیا تھا۔ یہ حضرت عثمانؓ (عہد خلافت ۲۳ھ تا ۳۵ھ) کے قرآنی رسم الخط سے مشابہ تھے جن سے یہ صوتی سانچے خارج کر دیئے گئے تھے۔ مثال کے طور پر الرحمان کو الرحمٰن، النبیّین کو النبین، مُلوون کو بلون حتیٰ کہ عثمان کو عثمن لکھا جاتا۔[۴۹]

۶۔ اسمائے معرب: نباطی کے معرفہ اسمائے معرب کے آخر میں واو کا اضافہ کیا جاتا تھا۔[۵۰] عربی میں یہ صوت صرف ایک اسمِ معرفہ عمرو کے ساتھ باقی رہی ہے۔ اور اس کی وجہ کہ یہ واو کیوں باقی رکھا گیا غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ عربی میں ایک اور اسمِ معرفہ عُمَر موجود ہے جو مبنی ہے۔[۵۱]

---

[۴۶] ۔ نامی۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۸۶ - ۸۷

[۴۷] نامی۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۸۷۔ مؤلف کہتا ہے کہ البتہ اس نقطہ میں میں نامی سے اختلاف رکھتا ہوں۔ اس مضمون میں آئندہ سطروں میں واضح ہو جائے گا کہ عربی میں یہ اعرابی نشان و حرکات (نقطے و حرکات) قدیم زمانہ سے رائج تھے۔

[۴۸] نامی۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۸۸

[۴۹] نامی۔ ایضاً

[۵۰] نامی۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۸۸

[۵۱] نامی۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۹۰

۷۔ غیر متصل حروف : مندرجہ ذیل حروف ایسے ہیں جو بائیں جانب نہیں جڑتے جب کہ دائیں جانب سے جڑ جاتے ہیں۔ ا۔ د۔ و۔ ر۔ ز [52]

عربی کے منقوشات اور تحریریں : نباطی خط اپنے تیسرے دور میں عربی خط کی طرف واضح میلانات کا اظہار کر رہا تھا۔ پھر اس سے آئندہ دور میں پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے دوران نباطی خط نے ایک طرف قبل از اسلام کے عربی خط کے لئے اور دوسری طرف سریانی خط کے لئے راہ ہموار کر دی [53]

عربی مخطوطات کے بارے میں مشکل ترین مسئلہ یہ ہے کہ وہ تقریباً ناپید ہیں۔ قبل از اسلام کے مخطوطات کی تعداد ایک ہاتھ کی انگلیوں سے بھی زائد نہیں۔ اغلباً یہ صورتِ حال مذہبی وجوہ کی بنا پر ہے۔ اگر اس عہد کے مخطوطات و لوحات تلاش کئے جائیں تو وہ حجاز میں ہی ملیں گے [54] چونکہ غیر مسلموں کے لئے حجاز کا دروازہ بند ہے۔ اس علاقہ میں وہ اس قسم کی مہم جاری نہیں رکھ سکتے اور خود مسلمان اس سرزمین کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس جدو جہد سے احتراز کرتے ہیں۔ بنا بریں موجودہ علماء و ماہرین آثار قدیمہ کو ان ہی مخطوطات و لوحات سے زیادہ سے زیادہ کام لینا ہوگا جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں۔ اسلام کی ترقی و انتشار کے ساتھ ساتھ مخطوطات اور تحریر کی دیگر صورتیں تعداد میں بڑھنے لگیں۔ عہد جاہلیت کے صرف پانچ مخطوطات ہیں۔ ایک تیسری صدی عیسوی کا، دوسرا چوتھی صدی کا اور بقیہ تین چھٹی صدی عیسوی کے ہیں [55] پہلا مخطوط خالص عربی نہیں ہے۔ غالباً یہ اُس دور کے آغاز کا ہے جبکہ نباطی طرز تحریر نے اپنا قدیم خاصہ ترک کرنا شروع کیا تھا۔ ان مخطوطات میں سے پانچواں مخطوط تقریباً نصف صدی تک معمّہ بنا رہا تاآنکہ لٹمن (LITTMAN) نے ۱۹۱۱ء میں اسے حل کر لیا۔ [56]

---

[52] نامی ۔ حوالہ سابقہ ۔ ص ۸۶

[53] وجہ یہ ہے کہ نباطی یا تو عربی میں لکھنے لگے یا سریانی میں۔ بہرکیف جو بھی صورت تھی انھوں نے اپنا رسم الخط ترک کر دیا تھا۔ لیکن یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ سریانی اور عربی خط کا ماخذ نباطی خط تھا۔ خطوں کے ماخذ کے لئے تفصیلی مطالعے کے لئے ملاحظہ ہو۔ طہٰ باقر کی (اصل الحروف الهجائية) بغداد ج ۱ ۔ ۱۹۴۵ء ص ۴۱ تا ۶۱

[54] آئندہ اسی مضمون میں اس امر کے اسباب بتائے جائیں گے۔

[55] ایبٹ ۔ حوالہ سابقہ ۔ لوح ۔ ۱ نمبر ۱ تا ۵ ۔ ایبٹ نے مکمل شناخت اور حوالہ جات دیئے ہیں۔

[56] نامی ۔ حوالہ سابقہ ۔ ص ۹۰

اسلام کے آغاز ہی میں تحریر سے خوب کام لیا جاتا تھا[57]۔ قرآن مجید کے اوّلین نسخہ سے متعلق روایات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید جیسے ضخیم مسوّدہ کے لئے تحریر میں سرعت اور فن کتابت میں مہارت کی اشد ضرورت ہوئی۔ تاہم ہمارے ہاں ان ابتدائی ایام کی تحریریں بہت کم ہیں۔

محمد حمید اللہ نے مدینہ کے قلعہ سلع میں سے چھ کتبات پائے ہیں[58] اس نے ان مخطوطات کی تاریخ ۵ھ دوران ماہِ غزوۂ خندق بتائی ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دنیا کے مختلف بادشاہوں کے نام مکاتیب کو اس عہد کی نمائندہ تحریر شمار کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ دریافت شدہ تین مکاتیب کے استناد میں شک کیا جاتا ہے تاہم ان کی صحت واصلیت کے تسلیم کرنے کے لئے کافی گنجائش ہے۔[59]

خلفائے راشدین (۱۱تا۴۰ھ ۶۳۳-۶۶۱ء) کے عہد میں تحریر کا استعمال اور زیادہ ہونے لگا۔ تاہم اس عہد کے محدود نمونے ہم تک پہنچے ہیں۔ عہد رسالت اور اس عہد کی تحریروں میں جزئی اور معمولی سا فرق ہے۔ لیکن ان تحریروں سے واضح تبدیلی اور بتدریج ارتقاء کا سراغ ملتا ہے۔[60] اموی عہد کے

---

[57] ۔ الاسد ۔ حوالہ سابقہ ۔ ص ۵۲ تا ۵۸ ۔ پروفیسر ناصر الدین الاسد نے اس حقیقت کے متعلق وہ دلائل پیش کئے ہیں جو شک سے بالاتر ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس خیال (عہد جاہلیت میں عربوں کے ہاں لکھنے کا رواج کم تھا) کو پروفیسر ناصر الدین الاسد کے عمدہ ترین مقالہ کی بنیادوں پر کلیۃً ترک کر دینا چاہیئے۔

[58] محمد حمید اللہ۔ بعنوان "سن ہجرت کے ابتدائی سالوں کے مدنی عربی منقوشات" در رسالہ "ISLAMIC CULTURE" (اسلامی ثقافت) ج ۳، ۱۹۳۹ء، نمبر ۴، ص ۴۲۷

[59] محمد حمید اللہ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۴۲۷

ایتھوپیا کے النجاشی بادشاہ کے نام مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو۔ ڈی ایم۔ ڈنلپ (D.M. DUNLOP) جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔ جنوری ۱۹۴۰ء ص ۵۴

المقوقس شاہ مصر کے نام مکتوب کے لئے ملاحظہ ہو۔ صلاح الدین المناجد۔ الھیئہ۔ بیروت۔

[60] مندرجہ ذیل چھ قسم کے مخطوطات کی بنا پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد ۱۱-۱۳ھ کے مخطوطات،

ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۴۴۳ ٭ (بقیہ حوالہ ۶۰ اگلے صفحہ پر)

مخطوطات کی تعداد بھی محدود ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو اس عہد کے بکثرت مخطوطات و تحریرات کے ملنے کی توقع ہوتی ہے اس لئے اس قلت کی وضاحت کے دلائل پیش کرنا خاصا دقیق ہو جاتا ہے۔[61] ایبٹ کے مذکورہ مخطوطات[62] کے علاوہ ایک اور مختصر سا مخطوطہ بھی ہے جس کا مائلز نے مطالعہ کیا ہے[63] مائلز کا خیال ہے کہ زمانۂ اسلام کا اوّلین عظیم الشان اور یادگار مسوّدہ یہی مخطوطہ ہے[64]۔ اس کی تاریخ ۵۵ھ یا غالباً ۵۸ھ ہے۔ اس کا دلچسپ ترین اور قابل توجہ حصہ اس میں حرکات و اعراب کی موجودگی ہے۔[65]

عربی خط خلافت راشدہ کے اختتام تک کے تمام مخطوطات اور تحریریں ایک ہی عہد کی شمار ہوں گی۔ ان میں بہت سی ایسی مشترک خصوصیات ہیں، جن کی توجیہ بآسانی کی جا سکتی ہے۔ مندرجہ ذیل

---

* (بقیہ حوالہ نمبر ۶۰) (۲) باطانصو۔ یہ مخطوطہ شمالی عراق سے دریافت ہوا اور ۲۲ھ کا ہے۔ ملاحظہ ہو: ناصر النقشبندی۔ کا۔ مضمون بعنوان "عربی مکتوبات کا آغاز" رسالہ "سومیر" ج ۳۔ جنوری ۱۹۴۷ء ص ۱۳۹

(۳) عمرو بن العاص۔ اوراق پیپرس پر تحریر شدہ (مخطوطہ پیپرس) دو زبانوں پر مشتمل مسودہ ہے۔ اور ۲۲ھ کا ہے۔ ملاحظہ ہو، ایبٹ۔ حوالہ سابقہ۔ لوح نمبر ۴۔ ص ۱۵

(۴) عروہ بن ثابت کا مخطوطہ جو الجزیرہ سے دریافت ہوا اور ۲۹ھ کا ہے ملاحظہ ہو ناصر النقشبندی حوالہ سابقہ۔ ص ۱۴۰

(۵) قاہرہ کا مخطوطہ جسے حسن الحواری نے دریافت کیا اور ۳۱ھ کا ہے۔ ملاحظہ ہو: نامی۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۱۱

(۶) سکوں پر کے منقوشات جن کی النقشبندی نے تصدیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ناصر النقشبندی۔ حوالہ سابقہ ص ۱۴۰-۱

[61] اس ضمن میں ایک بات یہ ہو سکتی ہے کہ اس قلت کی ذمہ داری سخت گیر عباسی خلافت سے منسوب کی جائے جو نے اموی خلفاء کا کوئی نشانِ عظمت، یادگار اور سرکاری دستاویزات باقی نہ رہنے دیئے۔ اس موضوع پر تحقیقی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو۔ حبیب الزیات کا مقالہ "مزاعیم المورخین"۔ "المشرق" بیروت ۱۹۴۸ء نمبر ۲ ص ۱۶۱-۱۶۸ اور ملاحظہ ہو، فلپ۔ کے۔ ہٹی۔ ہسٹری آف سیریا۔ نیویارک ۱۹۵۱ء ص ۵۲۴

[62] ایبٹ۔ حوالہ سابقہ۔ لوح ۳ و ۴

[63] جی۔ سی۔ مائلز: "حجاز میں طائف کے قریب آغازِ اسلام کے مخطوطات"۔ جرنل آف دی نیر ایسٹرن ج ۷۔ ۱۹۴۸ء ص ۲۳۶-۲۴۲

[64] مائلز۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۲۴۰

[65] مائلز۔ ایضاً

پیروں میں ان خصوصیات کو درج کیا جاتا ہے۔

الفاظ مجرد اکائیوں کی صورت میں ہوتے تھے۔ الفاظ کے جملہ حروف دائیں اور بائیں دونوں طرف سے باہم متصل ہوتے بجز مندرجہ ذیل حروف جو صرف اپنی داہنی جانب سے ملے ہوتے :

ا۔ د۔ ر۔ ز۔ و۔

حروف کو جوڑنے کے طریقے نباطی رسم خط سے مشابہ تھے۔ البتہ سلسلہ وار پرونے کا طریقہ اس سے مستثنیٰ تھا[66]۔ ایک اور طریقہ بھی مستعمل تھا۔ پچھلے حرف کا سرا ماسبق حرف کی دُم سے ملا دیا جاتا[67]۔ نتیجۃً دوسرا حرف لکیر کے نیچے جا پڑتا۔ یہ صورت ر۔ ن اور ی میں خوب واضح ہے۔[68]

ابتداء یا درمیان میں مستعمل حروف جب آخر میں آتے تو اپنی صورت تبدیل کر دیتے۔ بجز چند حروف کے بقیہ حروف کے لئے یا تو ان کے آخری حصہ کو دراز کرنے کا طریقہ استعمال ہوتا یا پھر حرف کی کلیتہً بدلی ہوئی صورت مستعمل ہوتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کے ادوار میں اکثر حروف میں یہ دونوں خصوصیات ملتی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ یہ دونوں طریقے نباطیوں کے ہاں بھی مروج تھے[69]۔ اسی مضمون میں یہ بات پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ نباطیوں نے اعراب و حرکات کی علامتیں ترک کر دی تھیں۔ اس عہد کے تمام مخطوطات میں بھی یہی طریق رائج تھا۔ لفظ کے آخر میں آنے والی گول ۃ کے لئے نباطیوں کے برعکس دراز (ت) کی جگہ گول "ۃ" مستعمل تھی۔

زبد اور حران میں دریافت شدہ دو مخطوطوں میں معرب اسمائے معرفہ کے ساتھ حرف واؤ (و) کا اضافہ ہے۔ جس سے واضح ہے کہ عربوں نے تحریر کی یہ خصوصیت نباطیوں سے اخذ کی ہے[70]۔ اسمائے معرفہ کے آخر میں مستعمل تنوین[71] اس عہد کو ظاہر کرتی ہے جب عربی (خط) کا آغاز ہوا۔ یاد رہے کہ باوجود لفظی اکائی کے جو حروف کے آپس میں جوڑ دینے سے حاصل ہوئی، ایک لفظ جب سطر کے آخر میں نامکمل رہ جاتا تو علامتِ وصل (–) لگا کر اسے اگلی سطر میں مکمل کیا جاتا۔ نباطی مخطوطات اور قدیم عربی مخطوطات میں یہ صورت موجود تھی۔ وقت

---

[66] ایضاً۔ ص ۸ (د) (النظم)   [67] نامی۔ حوالہ سالفتہ۔ ص ۱۰۰

[68] نامی۔ ایضاً۔ منقوش قاہرہ۔ لوح۔ ۷۔ نمبر ۲۵۔ [69]۔ نامی۔ ایضاً۔ ص ۱۰۰

[70] نامی۔ حوالہ سالفتہ۔ ص ۱۰۱

[71] عربی میں معرب اسمائے معرفہ کے آخر میں تنوین آتی ہے (مثلاً زَیدٌ کو زَ ی دُ ن پڑھتے ہیں۔ مترجم)

زرنے کے ساتھ ساتھ یہ رواج بھی ترک کر دیا گیا۔[۷۲]

آخری بات یہ بھی ہے کہ حروف نقطوں سے خالی ہوتے۔ یہی خصوصیت نباطی میں بھی پائی جاتی تھی[۷۳] البتہ حرکات کے وجود کے بارے یہ قطعی بات نہیں ہے۔ ناصرالدین الاسد نے ایسی بنیادی شہادتیں پیش کی ہیں جن کی روشنی میں قدیم زمانہ میں حرکات کی موجودگی کے بارے میں رائج نظریہ پر بہت سے اعتراضات اٹھتے ہیں[۷۴]

قدیم عربی مخطوطات کی ان خصوصیات کا معائنہ کرنے کے بعد ہر شخص نامی کے پیش کردہ نتیجہ سے اتفاق پر مجبور ہو جاتا ہے، جو یہ ہے:

"عربی خط نباطی خط کی محض ترقی یافتہ صورت ہے اور اس میں بھی وہی خصوصیات اور تحریری امتیازات ہیں"[۷۵]

بعد کا عربی خط | دوسرے عہد یعنی عہد امیہ کا معائنہ کرتے ہوئے ہمیں متعلقہ مواد کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے عربی خط کے بارے میں ابہام اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اس وقت کا رائج عربی خط اور حساب و کتاب رکھنے کے طریقے دونوں ہی امور مملکت کو ضابطۂ تحریر میں لانے کے لئے روز افزوں ضرورت کے سامنے ناکافی ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے کاغذات و دستاویزات نیز سرکاری دفاتر میں یونانی، سریانی، ترکی اور فارسی کلرکوں کو رکھا گیا۔ یہ صورت حضرت عمر بن عبدالعزیز (عہد خلافت ۹۹ تا ۱۰۱ ھ) کے عہد تک جاری رہی۔ یہی وہ خلیفہ تھا جس نے حکومت کے تمام دفاتر میں عربی زبان رائج کرنے کے احکام جاری کئے۔ میری رائے یہ ہے کہ عربی رسم الخط اس قدر ترقی یافتہ نہ ہوتا تو وہ کبھی بھی اس قسم کا اہم انتظامی فیصلہ نہ کرتے۔ یہ مکمل تبدیلی اسی وقت ممکن ہوئی جب عربی خط میں معتد بہ تبدیلی اور بڑی حد تک ارتقاء ہو چکا تھا جس سے نہ صرف حروف کی شکلوں میں تغیر ہو چکا تھا بلکہ ان کی اصلیت بھی بدل چکی تھی۔[۷۶] یہ صحیح ہے کہ مختلف خطوط

---

[۷۲] نامی - حوالہ سابقہ - ص ۱۰۱   [۷۳] نامی - ایضاً

[۷۴] ناصرالدین الاسد - حوالہ سابقہ ۳۴ - ۴۱   [۷۵] نامی - حوالہ سابقہ - ص ۱۰۱

[۷۶] بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالملک بن مروان (عہد خلافت ۵۵-۸۶ھ) ہی پہلا خلیفہ تھا جس نے اس تبدیلی کو تجویز کیا۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی خط اور اس کا طرز تحریر اس کی توقعات پر پورا نہ اتر سکا اور یہ تبدیلی حضرت عمر بن عبدالعزیز (عمر ثانی) کے عہد ہی میں لائی گئی۔

[redacted]

ارتقاء پذیر ہوئے لیکن بنیادی تبدیلی مجرّد حروف میں ہی لائی گئی۔ ہم اسی مضمون کے آخر میں حروفِ تہجی میں ع
تبدیلیوں پر بحث کریں گے۔

اموی دَور میں مخصوص خطوں نے اپنی واضح خصوصیات پیدا کر لی تھیں۔ ایبٹ نے اپنے مقالہ میں ان خط
پر تفصیل سے بحث کی ہے لیکن مجھے ان تبدیلیوں کے مقابلہ میں، جنہوں نے بالآخر فنِ خوشنویسی کی راہ ہموار کی
تھا کے ارتقاء اور ان کی تبدیلیوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے کہ چند اہم خطوں اور ان
استعمال کا ذکر کر دیا جائے۔ ایبٹ نے قرآنی خطوں کا ذکر کیا ہے۔[۷۷] سے زیادہ تر اس بات سے دلچسپی تھی
اسطرنجیلی نے عربی خط کو کس حد تک متاثر کیا۔ اس کی توجہ کوفی۔ اسطرنجیلی کے باہمی تعلقات پر مرکوز
اس میں وہ کامیاب بھی رہی۔ قرآنی مسودات مختلف خطوں میں لکھے گئے لیکن زیادہ تر کوفی خط کا استعمال ر
یہ تمام رسوم خط یا تو کسی ضرورت کی بنا پر یا رسم و رواج کی وجہ سے ارتقاء پذیر ہوئے۔

ایک اور خط جو خطِ کوفی سے بھی قدیم تر ہے خط نسخی ہے[۷۸] یہ کتابوں کی نقل کرنے کے لئے مستعمل
کے ہر دلعزیز ہونے کا واحد سبب شکستگی کے باعث اس کا بآسانی استعمال ہونا تھا۔ غالباً اس کا نام بھی
کام کی نوعیت سے اخذ کیا گیا۔[۷۹] دیوانی خط جو قدیم خط توقیع سے نکلا ہے[۸۰] دو رسم الخط بناتا ہے
اور دیوانی الجلی۔ مؤخر الذکر کو خوب مزین کیا جاتا۔ اور عموماً ابتداءً شاہی دربار میں مستعمل ہوتا۔ ثلث
کر تزئین کے مقاصد کے لئے ایجاد کیا گیا۔ اور بھی بہت سے خط مستعمل ہیں لیکن یہ سب کے سب ا
کی پیداوار ہیں۔[۸۱]

مغربی خط

مغربی خط کا ذکر بھی ضروری ہے[۸۲] دوسری صدی ہجری کے اواخر میں اس نے اپنے
تبدیلی شروع کی۔ اگرچہ کچھ سنجیدہ اختلافات بھی ہیں تاہم مغربی خط نے نسخ
زیادہ اپنے اندر کوفی خط کی خصوصیات کو باقی رکھا۔

---

[۷۷] ایبٹ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۱۷-۳۰

[۷۸] موریس۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۳۸۱-کا

[۷۹] فعل نَسَخَ کے معنی ہیں نقل کرنا (کاپی کرنا)

[۸۰] موریس۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۳۸۷

[۸۱] مثلاً تومش، رقاع اور اجازۃ۔

[۸۲] ایبٹ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۴۱-۴۴

نقطے، اعراب اور دیگر علامات

حرکات (اعراب): عموماً یہ باور کیا جاتا ہے کہ عربی خط اپنے ابتدائی دور میں حرکات کے اظہار کے
لگائے جانے والے نقطوں سے خالی تھا۔ علاوہ ازیں اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ عربی کے زیادہ استعمال
وجہ سے غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لئے رسم الخط میں بعض بنیادی تبدیلیوں اور اضافوں کی ضرورت محسوس
کی گئی۔ ابتدا میں قرآن مجید کی تلاوت اور بعد میں حکومت کی کارروائی کے سرانجام دینے میں اور بالآخر عمومی اد
کے پڑھنے میں غلطی کے امکانات ہونے لگے۔ ایک روایت کا ادعا یہ ہے کہ حجاج بن یوسف الثقفی م ۸۵ھ
نے خط میں تبدیلی اور ارتقاء کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے حرکات ایجاد کیں۔

ناصرالدین الاسد نے اسی روایتی عقیدہ کی صداقت کو چیلنج کرتے ہوئے سنجیدہ اعتراضات کئے ہیں[۳]
اس کا دعویٰ ہے کہ اعجام، وشم، نقط اور ترقیم وہ الفاظ ہیں جن کی تصدیق جاہلی شاعری سے بھی ہوتی ہے[۴]
اور یہ سب الفاظ انہی حرکات کے استعمال سے متعلق ہی ہیں۔ تاریخی مواد پر مبنی اس کا استدلال نہایت ٹھو
ہے۔ لیکن جب وہ اصلی منقوشات کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کی دلیل کمزور پڑ جاتی ہے۔ اس ضمن میں اس
دلیل یہ ہے کہ ان مخطوطات کے لئے ان حرکاتی نشانات (حرکات و اعراب) کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی گئی کیو
یہ تو محض تواریخ و اسماء پر مشتمل سادہ مخطوطات تھے۔ ناصرالدین الاسد کے دلائل و شواہد نہایت قوی اور بہ
ٹھوس ہیں۔ اس کے اس نتیجہ کی صحت میں شک کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ الا یہ کہ انہی تاریخی حقائق کو
پرلے سے نہ جھٹلایا جائے۔ الاسد کی اس بحث میں صرف کمزوری یہ رہ جاتی ہے کہ ان مخطوطات میں حرکا
موجود نہیں ہیں۔ اور حرکات کی اس عدم موجودگی کے بارے میں اس کی دلیل قابل قبول ہے۔ البتہ اس سے
پتہ چلتا ہے کہ طائف میں ملنے والے معاویہ کے مخطوط کے وجود سے وہ آگاہ نہ تھا۔ یہ قابل ذکر مخطوط ۵۸ھ
کا ہے[۸۵] اس میں ہر اس حرف پر نقطے موجود ہیں جہاں ان کی ضرورت ہے۔ ث کے تکون بنانے وا
تین نقطے عام استعمال کے برعکس الٹے ہیں۔ ن اور ی کے نقطے حرف کے سروں کے اوپر یا ان کے ...

---

[۸۳] ناصرالدین الاسد۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۴۳-۴۱۔ [۸۴] ناصرالدین الاسد۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۳۸-۹

[۸۵] مائلز۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۲۴۰

لگائے گئے ہیں۔ آخر میں ختم ہونے والی لمبی ب کا نقطہ اس کی افقی لکیر کے نیچے وسط میں لگانے کی بجائے اس کے ابتدائی اٹھے ہوئے سرے کے نیچے لگایا گیا ہے۔ مثلاً "ب" کے بجائے "ب" ہے۔ اسی طرح ی اور ت کے نقطے ترچھی صورت میں لگائے گئے ہیں۔ مثلاً معٰویہ کی بجائے معٰویہ ہے۔

ایک اور دستاویز یا تحریر یا نوشتہ بھی موجود ہے جس میں حرکات کے نشان موجود ہیں[86]۔ یہ ۲۲ھ کا ہے۔ جن حروف پر نقطے موجود ہیں وہ یہ ہیں۔ خ۔ ذ۔ ز۔ ش۔ ن۔

لہٰذا ہم بآسانی تسلیم کر سکتے ہیں کہ عربی خط میں حرکات و نقطے قدیم زمانہ سے موجود تھے۔

فریحہ بھی اس مسئلہ پر مذکورہ بالا خیال کی تائید سے بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ طریقہ سریانی سے اخذ کیا گیا ہے[87] اور اس خیال کو پیش کرنے میں وہ تنہا نہیں ہے۔

البتہ سریانی میں یہ طریقہ بہت محدود طور پر مستعمل ہے۔ صرف دو حرف د اور ذ پر یہ نقطے ہوتے ہیں۔ باایں ہمہ ان دونوں کی شکلوں میں بھی واضح اختلاف ہے۔ ذ عموماً بڑے سرے والا ہوتا ہے اور تحریر کی لکیر سے کچھ اوپر لکھا جاتا ہے جبکہ د اس کے برعکس چھوٹے سرے والا اور لکیر کے نیچے لکھا جاتا ہے۔

ایک دلچسپ بات جسے فریحہ ابن خلکان[88] کے حوالہ سے پیش کرتا ہے، یہ ہے کہ النقط (نقطوں کے ذریعہ حرکات) کا استعمال اعجام (نقطوں کے ذریعہ حروف میں امتیاز) سے پہلے تھا۔ اول الذکر کا وہی وظیفہ تھا جو نظام حرکات کا عربی میں ہے۔ اس "نظام نقط" کا تجزیاتی مطالعہ کرنے اور سریانی حروف علت سے اس کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے فریحہ لکھتا ہے: "ان دونوں میں نمایاں مشابہت پائی جاتی ہے۔"[89]

اس مسئلہ سے اتفاق کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے: "الاعجام (حروف پر نقط لگانے کا نظام) النقط (نقطوں کے ذریعہ حرکات ظاہر کرنے) کی نقل تھے۔"

بہرکیف مورلیس[90] اور ایبٹ[91] ہر ایک اپنے مخصوص انداز سے یقین دلاتے ہیں کہ الاعجام (نقطوں کے

---

[86] ایبٹ۔ حوالہ سابقہ۔ لوح نمبر ۴ — [87] فریحہ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۴۸-۵۱

[88] فریحہ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۵۱۔ ابن خلکان کا حوالہ دیتے ہوئے۔ وفیات الاعیان۔ ج ۱۔ ص ۳۴۴

[89] فریحہ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۴۳-۴۴ — [90] مورلیس۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۳۸۲ کالم نمبر ۱-۲

[91] ایبٹ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۳۸

ذریعہ حروف میں امتیاز کا طریقہ) قبل از اسلام (عہدِ جاہلیت میں) بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس خیال کو کسی شہادت کی تائید حاصل نہیں کہ نقطے نباطی خط سے مستعار لئے گئے۔[92] آخری حرف جس پر یہ نقطے لگائے گئے آخر میں آنے والی تائے تانیث" ہ یات یا ۃ" تھی۔[93]

حرکات کے نشانات حرکات کے نشانات کے لئے دو طریقے رائج تھے۔ ایک طریقہ تو اب رائج نہیں رہا۔ یہ براہ راست سریانی سے اخذ کیا گیا تھا۔ اور "نقطہ" کہلاتا ہے۔ حرکت فتحہ (زبر ـَـ) حرف کے اوپر نقطہ کی صورت میں ظاہر کی جاتی۔ کسرہ (زیر ـِـ) حرف کے نیچے نقطہ کی صورت میں اور ضمہ (پیش ـُـ) حرف کے آگے بیچوں بیچ نقطہ کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا۔

جب (حرکات کو نقطوں کے ذریعہ واضح کرنے کا) یہ طریقہ اعجام (حروف پر نقطے لگانے) کے طریقہ سے خلط ملط ہونے لگا تو حرکات کے نشانات کے لئے متن کی کتابت کی روشنائی کے رنگ سے مختلف رنگ کی روشنائی استعمال کی جانے لگی۔ فریحہ محمد الابراشی کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ قاہرہ میں پائے جا نے والے قرآن مجید کے ایک نسخہ پر حروف کے امتیازی نقطوں کو سیاہی سے اور حرکات ظاہر کرنے والے نقطوں کو سرخی سے دکھایا گیا ہے۔ بعد میں دیگر صورتیں مستعمل ہوئیں۔ کیونکہ یہ طریقہ ناقابل استعمال تھا۔ اس دور میں العاد الحروف یعنی حروف کے مختصر حصے متعارف کرائے گئے۔ فریحہ کا خیال ہے کہ اس کا آغاز تیسری صدی ہجری کے اوائل سے ہوا۔ نئے طریقہ میں تین علامات شامل کی گئیں۔

(ـَـ) فتحہ ـــ مختصر ترچھا الف زبر کی جگہ۔

(ـُـ) ضمہ ـــ واؤ کا واضح اختصار پیش کی صورت میں۔

(ـِـ) کسرہ ـــ یائے ی کی مختصر صورت زیر کے لئے۔

النقط (نقطوں کے ذریعہ حرکات کا اظہار)

ان عناصر کے مستعمل ہونے کے متعلق کوئی معین وقت نہیں بتایا جاسکتا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ صورت تیسری صدی ہجری میں ہوئی۔ فم حلق سے ادا ہونے والا ہمزہ (ء) کو جو قدیم ترین اور اہم ترین ہجائی نشان ہے،

---

[92] ڈی۔ ڈرنگر۔ حروف تہجی۔ نیویارک ۱۹۴۸ء ص ۲۷۶

[93] مورلیس MORILZ ۔ حوالہ سابقہ۔ ص ۳۶۳۔ کالم نمبر ۲

دوش بدوش دو سرخ نقطوں سے ظاہر کیا جاتا۔ بعد میں اسے نیلے رنگ کے نقطہ سے یا الف (اْ) کے یا نیچے گول دائرہ سے یا یائے "ی" کے نیچے گول دائرہ سے ظاہر کیا جاتا۔ اس کے اظہار کی تیسری صورت جو آخری ہے حرف ع سے اس کا بالائی سرا "ء" مستعار لے کر مستعمل ہے۔ دیگر علامات یہ ہیں:-

(۱) شَدَّہ - (دہرا ادا کرنا) ش کی مختصر سادہ ترین شکل ۔ کی صورت میں حرف کے اوپر لگائی جاتی ۔

(۲) مَدَّہ - مُدَّ بمعنی دراز کردہ سے ماخوذ ایک مہری علامت ہے مد=مد=صر=مہ=۔

تاہم اس کا دوسرا ماخذ افقی الف (ـــ) ہو سکتا ہے کیونکہ بہت سی صورتوں میں قرآن جیسا لفظ قرآ لکھا جاتا۔

(۳) وصلہ - یہ علامت بھی ص سے اخذ کی گئی جو صِل بمعنی ملاؤ، جوڑو کی مختصر شکل ہے۔ یہ ہم الف اِ کے اوپر اس صورت " اِ " میں لگائی جاتی ہے۔

(۴) جزم (سکون) حرف کے اوپر ایک چھوٹے دائرے کی شکل میں لگائی جاتی ہے۔

(۵) التنوین - حرکات کے نشان کو دہرانا ہے مثلاً تٌ تٌ ، تً تً اور تٍ تٍ وغیرہا۔

رموز اوقاف | آیاتِ قرآنی کے اختتام کے اظہار کے خیال سے رموزِ اوقاف نقل کئے گئے۔ عمومی اس اضافے سے خالی تھیں اور زیادہ تر صرف دو یا تین نقروں کے آخر میں ایک گول دائرہ ہوتا۔

پروفیسر فرانز روزنتھال نے اپنی کتاب "مسلم علماء کے طریقے اور تکنیکا "METHODS AND TECHNIQUES OF MUSLIM SCHOLOR" میں موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔

ترتیبِ حروفِ تہجی | موجودہ عربی میں حروف ہجا کی ترتیب قدیم نہیں ہے۔ حروف کو ان میں مشابہت کی بنا پر ایک دوسرے کے بعد رکھا جاتا تھا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ مغربی خط میں جس نے ۔۔۔ میں عربی مروجہ خط سے جداگانہ شکل اختیار کی، حروف تہجی کی ترتیب نباطی ترتیب پر مبنی۔

خلاصہ

ایک وقت ایسا تھا جب کہ عربی خط میں چند خاص مسائل کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچنا کسی مشکل تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہر مسئلہ کے وجود کے لئے کچھ روایتی کہانیاں موجود ہیں اور دو ۔۔۔ اس کے بارے میں مواد بہت کم ہے۔ اس موضوع پر بعض نکات کے لئے بنیادی شہادات

ہے۔ عموماً اس موضوع کے مآخذ بھی محدود ہیں۔ اور بہت کم دستیاب ہوتے ہیں۔ تاہم اب ہمارے پاس کسی حتمی
یہ پر پہنچنے کے لئے یہی مواد کافی ہے۔

نباطیوں نے پامیریوں کے ذریعہ آرامیوں سے خط اخذ کیا۔ عربی، کوفی اور نسخی خط، نباطی خط کی
فری ہیئت سے اخذ کئے گئے۔ موجودہ عربی خط، نسخی خط سے ارتقاء پذیر ہوا۔ اسطرنجیلی خط، آرامی
ط سے نکلا ہے۔ پھر اس نے بعد کے سریانی خطوں کے لئے راہ ہموار کی۔

یہ پانچویں صدی عیسوی تھی جب عربوں نے نباطیوں کے طرز تحریر کو اختیار کیا۔ فی الحال اس طریقہ کو
ختیار کرنے کے متعلق صحیح مکانی تعین نامعلوم ہے۔ تاہم دو جگہوں کے بارے میں اہم اور پختہ دلائل سے
ثبوت پانے والی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ایک جگہ نامی نے "الحجاز" اور دوسری جگہ ایبٹ نے "الحیرہ" بتائی
ہے۔ عربی خط نباطی خط سے اپنے بنیادی تصرف کے بعد تبدیل اور ارتقاء پذیر ہوتا رہا۔ اس کے ارتقاء
ی تاریخ وار صورت غیر واضح ہے۔ انیس فریحہ کا خیال ہے کہ رسم الخط میں بیشتر ارتقاء
واعد اور لغت نویسی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ لسانی تکمیل کے سلسلہ
ں یہ تدریجی ارتقاء بڑی تیزی سے پہلی صدی ہجری کے اواخر سے تیسری صدی ہجری کے
وائل تک ہوتا رہا۔

تغیر و تبدل اور ارتقاء کبھی ختم نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اس موجودہ دور میں بھی ایسی مقامی اور
ومی تحریکیں ہیں جو رسم الخط میں ارتقاء کے لئے اصلاحی کوششیں جاری کئے ہوئے ہیں۔